ہیں ان میں منجملہ اور باتوں کے ایک بات یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ جو شخص خود کسی منصب یا عہدے کا امیدوار ہو یا اس کا دعویدار بنے، اسلام کی رو سے وہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ اسے منتخب کیا جائے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی جو خلافت کے امیدوار یا دعویدار رہے ہیں اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟

جواب: حضرت علی کی امیدواری و دعویداری کا قصہ دراصل ایک بڑے قصے کا جزو ہے جس کی بنا بعض مخصوص روایات پر قائم ہے۔ اس جزو کو کل سے الگ کر کے تنہا اسی پر بحث کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ اگر آپ اس جزو کو مانتے ہیں تو اس پورے قصے کو ماننا پڑے گا جس کا جزو یہ ہے اور پھر اس پر بحث کرنی ہوگی۔

اس قصے کی روایات بہت مشہور ہیں۔ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد کے واقعات کا جو نقشہ پیش کیا ہے، اور ابن قتیبہ اپنی الامامۃ والسیاسۃ میں جو نقشہ کھینچا ہے، اور ایسے ہی دوسرے لوگ جو روایات اس سلسلہ میں بیان کرتے ہیں، وہ سب آپ کے سامنے موجود ہیں۔ اگر آپ اس تاریخ کو باور کرتے ہیں تو پھر آپ کو محمد رسول اللہ۔ مبلغ قرآن، داعی اسلام، مزکی نفوس۔ کی شخصیت پر اور ان کی تعلیم و تربیت کے تمام اثرات پر خط تنسیخ کھینچ دینا پڑے گا اور تسلیم کرنا ہوگا کہ اُس پاکیزہ ترین انسان کی ۲۳ سالہ تبلیغ و ہدایت سے جو جماعت تیار ہوئی تھی، اس کی بنیاد میں جس جماعت نے بدر و احد اور احزاب و حنین کے معرکے سر کر کے اسلام کا جھنڈا دنیا میں بلند کیا تھا، اس کے اخلاق، اس کے خیالات، اس کے مقاصد، اس کے ارادے، اس کی خواہشات، اور اس کے طور طریق عام دنیا پرستوں سے ذرہ برابر بھی مختلف نہ تھے۔

اس تاریخ میں ہمارے سامنے کچھ اس طرح کا نقشہ آتا ہے کہ ایک حوصلہ مند شخص نے کئی سال کی جانفشانی سے لڑ بھڑ کر ایک ملک فتح کیا تھا اور اپنے زور بازو سے ایک سلطنت قائم کر لی تھی۔ پھر قضائے الٰہی سے اس نے وفات پائی۔ اس کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کے رفیقوں اور ساتھیوں نے جو سب اسی کے بنائے ہوئے آدمی تھے، اور جن پر وہ تمام عمر اعتماد کرتا رہا، یکایک آنکھیں پھیر لیں۔

ابھی اس کے ٹھکانے لگوانے والے اس کی تجہیز و تکفین ہی میں مشغول تھے کہ اس کے ساتھیوں کو یہ فکر پڑ گئی کہ کسی طرح تخت شاہی پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ وہ جمع ہوئے اور پہلے آپس میں جھگڑا کرتے رہے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ لقمۂ تر میرے منہ میں آ جائے۔ آخر بڑی ردوکد کے بعد انھوں نے اپنے میں سے ایک کو بادشاہی کے لیے منتخب کر لیا۔ یہ کارروائی جب مکمل ہو گئی تو بانی سلطنت کے خاندان والوں کو اس کی خبر پہنچی اور ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ مرحوم کا بیٹا تو کوئی تھا نہیں۔ ایک داماد تھا۔ وہ بپھر گیا کہ میرے ہوتے ہوئے اور کون وارث تاج و تخت ہو سکتا ہے۔ بیٹی بھی پیچ و تاب کھانے لگی کہ جو سلطنت ان کے باپ نے برسوں کی جانفشانی سے قائم کی تھی اس پر دوسروں کو قبضہ کر لینے کا کیا حق ہے۔ پہلے تو خاندان والے آپس میں سر جوڑ کر مشورے کرتے رہے۔ پھر انھوں نے مرحوم بادشاہ کے پرانے پرانے ساتھیوں کو اس کے احسانات یاد دلا دلا کر اپیل کرنے شروع کیے اور پبلک میں اپنے حق کا مطالبہ کیا۔ مرحوم کا داماد اس کی بیٹی کو وارث سلطنت کے محلوں میں لیے لیے پھرتا رہا اور ایک ایک با اثر قبیلے میں اسے لے گیا تاکہ شاید اسی کی فریاد سے لوگوں کے دل پگھل جائیں۔ مرحوم بادشاہ کی قبر کو بھی خطاب کر کر کے دہائیاں دیں کہ شاید یہی اپیل کارگر ہو جائے۔ مگر کسی نے سن کر نہ دی۔ آخر بیچارہ تھک ہار کر بیٹھ رہا، اور جب مرحوم کی بیٹی بھی، جو اس کے دعوے کی اصل بنیاد تھی، دنیا سے رخصت ہو گئی، تو اس غریب نے جا کر با دلِ ناخواستہ غاصبِ تخت کی اطاعت قبول کر لی، مگر دل میں وہ برابر پیچ و تاب کھاتا رہا اور وقتاً فوقتاً اپنے اس پیچ و تاب کا اظہار بھی کسی نہ کسی طرح کرتا رہا۔

کیا واقعی یہی تصویر ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیتؓ اور ان کے اصحابؓ کبار کی؟ کیا اللہ کے رسول کی یہی پوزیشن تھی کہ وہ دنیا کے عام بانیان سلطنت کی طرح ایک سلطنت کا بانی تھا؟ کیا پیغمبر خدا کی ۲۳ سالہ تعلیم، صحبت اور تربیت سے یہی اخلاق، یہی سیرتیں اور یہی کردار تیار ہوئے تھے؟ آخر اس نقشے کو کیا مناسبت ہے قرآن اور اس کی پاکیزہ ترین تعلیمات سے؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی اُن بلند ترین اخلاقی ہدایات سے جو ذخیرۂ حدیث میں بھری پڑی ہیں؟ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے اُن سوانح حیات سے جن میں (اس ایک قصے کے سوا) دنیا طلبی کا کوئی

شائبہ تک نظر نہیں آتا؟ ابوبکرؓ و عمرؓ کی ان زندگیوں سے جن کا کوئی رنگ بھی دنیا کے بھوکے لوگوں کے رنگ ڈھنگ سے نہیں ملتا؟ اور صحابہ کرام کی ان سیرتوں سے جن کے مجموعے میں اس داستان کے کھینچے ہوئے نقشے کو رکھ کر دیکھا جائے تو کسی طرف سے بھی اس کا جوڑ اُن کے ساتھ بیٹھتا نظر نہیں آتا؟ پھر اگر اس گروہ کی تاریخ کا پورا مستند ذخیرہ ہمارے سامنے اس کے اخلاق، اس کی سیرت، اس کی ذہنیت اور اس کے نفسیات کا کچھ اور نقشہ پیش کرتا ہے اور صرف ایک مجموعۂ روایات اس کے بالکل برعکس ایک اور ہی نقشہ پیش کر رہا ہے تو آخر عقل کیا کہتی ہے؟ کیا یہ کہ سمندر میں اتفاقاً آگ لگ گئی تھی؟ یا یہ کہ سمندر میں پانی تھا ہی نہیں، آگ ہی آگ تھی؟ یا یہ کہ آگ لگنے کا قصہ جھوٹا ہے، جب تمام شہادتیں اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ وہ سمندر تھا تو وہاں پانی کے سوا کچھ نہ ہو سکتا تھا؟ تاہم اگر کسی کا جی چاہتا ہے کہ اس قصے کو باور کرے تو ہم اسے روک نہیں سکتے۔ تاریخ کے صفحات تو بہر حال اس سے آلودہ ہی ہیں۔ مگر پھر ساتھ ہی یہ ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ معاذ اللہ رسالت کا دعویٰ محض ایک ڈھونگ تھا، قرآن شاعرانہ لفاظی کے سوا کچھ نہ تھا، اور تقدس کی ساری داستانیں خالص ریاکاری کی داستانیں تھیں، اصل میں تو ایک شخص نے ان چالوں سے دنیا کو پھانسا تھا تاکہ اپنی ایک سلطنت بنائے، اور اس قسم کے دنیا طلب مکاروں کے گرد جیسے لوگ جمع ہوا کرتے ہیں ویسے ہی لوگ اس کے گرد بھی جمع ہو گئے تھے اور تقدس کے اس ظاہری پردے میں دراصل وہ جن مقاصد کے لیے کام کر رہا تھا ان کا راز آخر کار اس کے اپنے گھر والوں نے فاش کر کے رکھ دیا۔

اس کے مقابلہ میں تاریخ کچھ اور روایات بھی پیش کرتی ہے۔ ذرا ان کو بھی دیکھ لیجیے۔ علامہ ابو جعفر ابن جریر طبری پوری سند کے ساتھ یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن زید سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے واقعات پوچھے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے بیان کیا:

ان علی ابن ابی طالب کان فی بیتہ اذ جاءہ من انبأہ ان ابا بکر قد جلس للبیعۃ۔ فخرج فی قمیص لہ ما علیہ	علی ابن طالب اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص نے ان کو جا کر خبر دی کہ ابوبکر بیعت لینے کے لیے بیٹھے ہیں۔ یہ سن کر وہ چادر اور ازار کے بغیر نرے قمیص ہی میں نکل

ازارہ بلا رداء عجلا کراھیۃ ان یبطی عنہا حتی بایعہ، ثم جلس الیہ وبعث الی ثوبہ، فاتاہ فجللہ ولزم مجلسہ

کھڑے ہوئے۔ اتنی دیر کرنی بھی انھوں نے پسند نہ کی کہ کپڑے پہن لیں۔ پہلے جا کر بیعت کی، پھر گھر سے کپڑے منگائے اور پہن کر مجلس میں بیٹھے۔

بیہقی کی روایت اس سے تھوڑی مختلف ہے۔ وہ ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ:

فصعد ابوبکر المنبر فنظر فی وجوہ القوم فلم یر الزبیر قال فدعا بالزبیر فجاء، فقال قلت ابن عمۃ رسول اللہ و حواریہ، اردت ان تشق عصا المسلمین؟ فقال لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ، فقام فبایعہ ثم نظر فی وجوہ القوم فلم یر علیا فدعا بعلی بن ابی طالب، فجاء، فقال قلت ابن عم رسول اللہ وختنہ علی ابنتہ، اردت ان تشق عصا المسلمین؟ قال لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ فبایعہ۔

پھر ابوبکر منبر پر چڑھے اور حاضرین مجلس پر نظر ڈالی۔ دیکھا کہ زبیر موجود نہیں ہیں۔ ان کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا جب وہ آئے تو فرمایا، میں کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ کے پھوپھی زاد بھائی اور حضور کے حواری کہاں ہیں۔ کیا تم مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہنا چاہتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا اے جانشین رسول معاف فرمائیے۔ پھر اٹھے اور بیعت کی۔ پھر ابوبکر نے مجمع پر دوبارہ نظر ڈالی اور دیکھا کہ علی نہیں ہیں۔ انھیں بلانے کے لیے بھی آدمی بھیجا۔ جب وہ آ گئے تو فرمایا، میں کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ کے چچا زاد بھائی اور داماد کہاں رہ گئے، کیا تم مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہنا چاہتے تھے؟ انھوں نے بھی فرمایا کہ اے جانشین رسول! معاف فرمائیے۔ پھر بیعت کی۔

ان دونوں روایتوں میں بظاہر جو تھوڑا سا اختلاف نظر آتا ہے وہ محض تفصیل کا فرق ہے۔ ورنہ دراصل دونوں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ پھر اس کی مزید تائید حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اس روایت سے ہوتی ہے جو موسیٰ بن عقبہ نے عمدہ سند کے ساتھ اپنے مغازی میں نقل کی ہے:

ثم خطب ابوبکر واعتذر الی الناس وقال ما کنت حریصا علی الامارۃ یوما ولا لیلۃ ولا سألتہا فی سر ولا علانیۃ

پھر ابوبکر نے (بیعت کے بعد) خطبہ دیا اور اپنی معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا "میرے دل میں ایک دن یا ایک رات کے لیے بھی امارت کی ہوس نہ تھی، اور نہ میں کبھی خفیہ یا علانیہ

فقبل المهاجرون مقالته وقال علی والزبیر ما غضبنا الا لانا اخرنا عن المشورۃ وانا نری ابابکر احق الناس بها انه لصاحب الغار وانا لنعرف شرفه وخیرہ ولقد امرہ رسول اللہ ان یصلی بالناس وهو حی

اس کی خواہش کی" سب مہاجرین نے حضرت ابوبکر کی اس تقریر کو خاموشی سے سنا۔ البتہ علی اور زبیر نے اتنا کہا کہ ہم کو شکایت صرف اس بات کی ہے کہ ہمیں مشورے میں شریک نہیں کیا گیا، ورنہ ہم بھی ابوبکر کو سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، وہ رسول اللہ کے رفیق غار ہیں۔ ان کے شرف اور ان کی تجربہ کاری کا ہمیں اعتراف ہے اور رسول اللہ نے اپنی زندگی میں انہی کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کیا تھا۔

پھر علامہ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں اپنی یہ تحقیق پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہؓ کے پاس خاطر سے چھ مہینے تک خانہ نشین رہے، کیونکہ وہ تقسیم میراث کے معاملہ میں حضرت ابوبکر سے ناراض ہوگئی تھیں، اور حضرت علی نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے جو داغ ان کے دل کو لگا ہے اس پر کسی ادنیٰ وجہ ملال کا بھی اضافہ ہو۔ بعد میں جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت علی نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت ابوبکر سے بیعت کی تجدید کی اور معاملات میں حصہ لینا شروع کیا۔[۱]

ہم خواہ مخواہ کسی کے ساتھ بحث و مناظرے میں نہیں الجھنا چاہتے۔ ہم نے یہ دونوں تصویریں پیش کر دی ہیں۔ اب ہر صاحب عقل کو خود سوچنا چاہیے کہ ان میں سے کونسی تصویر مبلغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت و اصحاب کبار کی سیرتوں سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ اگر پہلی تصویر پر کسی کا دل ٹھکتا ہو تو ریجھے، مگر اس کے ساتھ ایک امیدواری و عویداری کا مسئلہ ہی نہیں، پھر سے دین و ایمان کا مسئلہ حل طلب ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی اس دوسری تصویر کو قبول کرے تو اس میں سرے سے اس واقعہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے کہ حضرت علی منصب خلافت کے امیدوار یا دعویدار تھے۔

---

[۱] ایک اور روایت محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب "الصدیق" میں نقل کی ہے جس کی تحقیق کا مجھے موقع نہیں ملا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہوگئی تو جناب ابوسفیان نے حضرت علی کو دعویداری خلافت کے لیے اکسانے کی کوشش کی تھی، مگر حضرت علی نے ان کو جواب دیا کہ تمہاری عمر کا ایک بڑا حصہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں گذر چکا ہے، اب اپنے سابق نامہ اعمال میں کچھ اور اضافہ نہ کرو تو بہتر ہے۔ میرے نزدیک ابوبکر اس منصب کے اہل ہیں جو انہیں دیا گیا ہے۔